

فقہائے تابعین کی اہل حدیث اور اہل رائے میں تقسیم

ایک تنقیدی جائزہ [2]

تیسرا سبب: عراق میں رائے واجتہاد کی کثرت اور حجاز میں قلت

اہل رائے اور اہل حدیث کی تقسیم کا ایک اہم سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عراق میں اجتہاد اور رائے کا استعمال بہت زیادہ تھا، چنانچہ اہل عراق کثرت سے اصولوں پر تفریع کر کے نئے مسائل کا استنباط کرتے، مسائل کو فرض کر کے اس کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ اس کے برعکس حجاز میں رائے واجتہاد کی بجائے حدیث کی تعلیم زیادہ ہوتی تھی، اہل حجاز صرف پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے، اور بغیر ضرورت کے تفریعات کرتے اور نہ ہی مسائل کو فرض کر کے اس پر بحث کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عراق رائے کو زیادہ استعمال کرنے کی وجہ سے "اہل رائے" اور اہل حجاز "اہل حدیث" کے نام سے مشہور ہوئے۔ محقق قطان اہل رائے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کثرة تفریعہم الفروع لکثرة ما يعرض لهم من الحوادث، نظرا لتحضرهم وقد ساقهم هذا الى فرض المسائل قبل ان تقع؛ فاکثروا من "ارایت لو کان کذا؟" فیسألون عن المسألة ویبدون فیها حکماً، ثم یفرعونها بقولهم: "ارایت لو کان کذا؟" ویقلبونها علی سائر وجوہها، الممكنة و غیر الممكنة أحياناً، حتی سماهم اهل الحديث "الارایتیون" وتمیز منهم جهم بالفقه الافتراضی (۳۷)

”اہل عراق کا کثرت سے تفریعات کیا کرتے تھے، کیونکہ عراق کے ترقی یافتہ تمدن کی وجہ سے وہاں حوادث کی کثرت تھی۔ حوادث کی کثرت نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسائل کو وقوع سے پہلے فرض کریں۔ لہذا وہ جب کسی مسئلے کا حکم معلوم کرتے تو "ارایت لو کان کذا" کہہ کر مسئلہ شروع کرتے، اس کا حکم معلوم کرتے، پھر اس پر تفریعات "ارایت لو کان کذا" کہہ کر کرتے، اور اس مسئلے کے ممکنہ بلکہ کبھی غیر ممکنہ تمام پہلوؤں اور جوانب پر بحث کرتے۔ اس وجہ سے اہل الحدیث نے انہیں "ارایتیون" (یعنی کثرت سے ارایت کہنے والے) کا لقب دیا۔ ان کے منہج کا بنیادی امتیاز فقہ افتراضی تھا۔“

جبکہ اہل حدیث کی بنیادی خصوصیت یوں بیان کی ہے:

ماہنامہ الشریعہ ————— ۳۶ ————— نومبر ۲۰۱۶

کراہیتہم لکثرة السؤال. وفرض المسائل، وتشعب القضايا؛ فالحكم
ينبنى على قضية واقعة، لا على قضية مفترضة (۳۸)
”اہل جاز سوال کی کثرت، مسائل کو فرض کرنے اور فقہی قضایا کے شاخ در شاخ پہلو کا لئے کو ناپسند کرتے
تھے، پس ان کے نزدیک حکم شرعی صرف اس مسئلے پر لگایا جاتا، جو پیش آچکا ہوتا، نہ یہ کہ محض فرضی ہو۔“

حجاز میں رائے واجتہاد کا ایک جائزہ

حجاز خصوصاً مدینہ منورہ کے بڑے فقہاء کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ رائے واجتہاد کے استعمال
کے حوالے سے کسی طرح سے فقہائے عراق سے کم نہیں تھے۔ ان کی فقہی آراء، فتاویٰ اور غیر منصوص مسائل میں رائے و
قیاس کا استعمال فقہائے عراق سے زیادہ نہ سہی، ان کے برابر ضرور تھا۔ اس حوالیے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:
۱۔ اہل جاز کے سرخیل صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباس کے بارے میں امام ابن قیم لکھتے ہیں:
كان ابن عباس من اوسع الصحابة فتيا، وقد تقدم ان فتاواه قد جمعت في
عشرين سفرا۔ (۳۹)

”حضرت ابن عباس تمام صحابہ میں سے سب سے زیادہ کثرت سے فتویٰ دینے والے تھے، اور یہ بات
گزر چکی ہے کہ حضرت ابن عباس کے فتاویٰ بیس اجزا میں جمع کیے گئے۔“

۲۔ مدینہ میں مقیم صحابہ کرام میں سے رائے اور اجتہاد کے حوالے سے حضرت عمر بلاشبہ ممتاز ترین صحابی ہیں۔
حضرت عمر کی فقہی آراء پر مستقل تصانیف موجود ہیں، خصوصاً مسند الہند شاہ ولی اللہ نے ”ازالہ الخفاء“ میں فقہ عمر کے نام
سے حضرت عمر کی فقہی آراء اور اجتہادات کو جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حضرت عمر کے بارے میں ابو زہرہ
مرحوم لکھتے ہیں:

لان راى عمر فيما لا نص عليه من كتاب او سنة الرسول كان كثيرا (۴۰)
”کیونکہ غیر منصوص مسائل کے بارے میں حضرت عمر کے اجتہادات کافی زیادہ ہیں۔“
اسی طرح محقق محمد رواں قلعة جی کی ”موسوعة فقہ عمر بن الخطاب“ سے بھی حضرت عمر کی فقہی آراء کے تنوع اور
وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر جیسے صحابی کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں رائے واجتہاد کی کمی کا نظریہ تاریخی نقطہ
نظر سے نہایت کمزور دعویٰ ہے۔

۳۔ معروف تابعی حضرت سعید بن المسیب کا لقب فتاویٰ اور اجتہاد اور رائے کی کثرت کی بنا پر ”الجرىء“ پڑ گیا
تھا۔ امام ابن قیم ”اعلام الموقعین“ میں لکھتے ہیں:

وكان سعيد بن المسيب ايضا واسع الفتيا و كانوا يدعونه سعيد بن
السميب الجريء (۴۱)

”حضرت سعید بن المسیب کثرت سے فتویٰ دیا کرتے تھے، اور لوگ آپ کو سعید بن المسیب الجریء یعنی

فتویٰ کے بارے میں جرات مند کے لقب سے پکارتے تھے۔“

حضرت سعید بن المسیب کی فقہی آراء پر عراق سے ایک ضخیم کتاب "فقہ الامام سعید بن المسیب" کے نام سے چھپی ہے۔ کتاب کے مصنف الدكتور ہاشم جمیل عبداللہ ہیں۔ یہ کتاب تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس سے سعید بن المسیب کی فقہی آراء واجتہادات کی کثرت اور تنوع کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۴۔ مدینہ منورہ کے معروف فقیہ اور امام مالک کے استاد ربیعہ بن عبدالرحمن کا لقب رائے اور اجتہاد کی مہارت کی بنا پر "ربیعۃ الرائی" پڑ گیا تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

وكان اماما حافظا فقيها مجتهدا بصيرا بالراي ولذلك يقال له: ربعة الراي (۴۲)

”آپ امام حافظ، فقیہ اور اجتہاد میں خوب بصیرت کے حامل تھے، اسی وجہ آپ کو ربیعۃ الرائی کہا جاتا تھا۔“

۵۔ مدینہ منورہ میں رائے واجتہاد کے حوالے سے فقہائے سبعہ بھی کافی شہرت کے حامل تھے۔ فقہائے سبعہ سے مراد حضرت عروہ بن الزبیر، حضرت سعید بن مسیب، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، حضرت خارجہ بن زید بن ثابت، حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن، حضرت سلیمان بن یسار ہیں۔

عبداللہ بن مبارک فقہائے سبعہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

كان فقهاء اهل المدينة الذين يصدر عن رايهم سبعة (۴۳)

”مدینہ کے وہ فقہاء جن کی رائے پر اہل مدینہ اعتماد کرتے تھے، سات تھے۔“

آگے ان کے طرز اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

وكانوا اذا جاءتهم المسألة دخلوا فيها جميعا، فنظروا فيها، ولا يقضى القاضى حتى يرفع اليهم (۴۴)

”جب ان کے پاس مسئلہ آتا، سب اس مسئلے کے بارے میں اکٹھے بیٹھ کر اس میں غور و فکر کرتے اور قاضی مسئلہ کو ان کے پاس بھیجنے سے پہلے فیصلہ نہیں کرتے تھے۔“

فقہائے سبعہ کی اجتہادی آراء اور خاص طور پر امام مالک کی فقہی آراء کے ساتھ تقابل اور امام مالک کی فقہ پر فقہائے سبعہ کے اثرات کے حوالے سے معاصر سطح پر مستقل کام ہوا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوزہرہ مرحوم نے "حیاء مالک" میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر ریاض یونیورسٹی سے معروف محقق الدكتور محمد مصطفیٰ الاعظمیٰ کی زیر نگرانی ایک مفصل مقالہ "فقہ الفقہاء السبعة واثره في فقہ الامام مالک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں فقہ کے جملہ ابواب میں فقہائے سبعہ کی فقہی آراء پر بحث کی گئی ہے۔ اس سے مدینہ منورہ میں رائے واجتہاد کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی پر فقہائے سبعہ کے اثرات کے حوالے سے الدكتور عبداللطیف الرفوفی لکھتے ہیں:

هؤلاء هم الفقهاء السبعة الذين كونوا المدرسة الفقهية الاولى في هذا العصر، حتى سمي باسمهم، فقبل عصر الفقهاء السبعة، وكان عمل هؤلاء

ماہنامہ الشریعہ ————— ۳۸ ————— نومبر ۲۰۱۶

الفقهاء الاولين تاسيس الفقه الاسلامي، بوضعهم الخطوط الاولى للمنهج الفقهي، و بما رسموه من الراي والنظر۔ (۴۵)

”یہ وہ سات فقہاء ہیں، جنہوں نے اپنے زمانے میں اولین فقہی کتب کی تشکیل کی۔ ان کی شہرت کی وجہ سے اس زمانے کو فقہائے سبعہ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان فقہاء کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے فقہ اسلامی کی بنیادیں رکھیں، فقہی منہج کے اولین خطوط وضع کیے اور قیاس اور رائے کا نمونہ پیش کیا۔“

۶۔ حجاز کے فقہاء صحابہ و تابعین کے بعد اگر مذہب مالکی اور شافعی کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے، جن کو حجازی ہونے کی وجہ سے "اہل الحدیث" میں شمار کیا جاتا ہے، تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان مذاہب میں بھی روز اول سے رائے و اجتہاد کو کلیدی حیثیت حاصل تھی، اور رائے و اجتہاد کے استعمال، نصوص میں تعلیل اور فقہ تقدیری کی تشکیل میں "اہل حدیث" کے نام سے مشہور کیے جانے والے یہ دو حجازی مذاہب فقہیہ فقہائے عراق سے بڑھ کر نہیں تو ہم پہلے ضرور تھے۔ چنانچہ امام مالک کی فقہی و اجتہادی آراء پر مشتمل کتاب "المدوۃ الکبریٰ" اور امام شافعی کے علم ریہ قلم سے نکلی "کتاب الام" سے اس بات کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔ ان دونوں کتب میں فرضی مسائل کا معتد بہ حصہ موجود ہے اور مسائل کی فرضی صورتیں بنا کر اس پر احکام مرتب کیے گئے ہیں، بلکہ امام محمد کی کتب ظاہر الروایۃ کے ساتھ ان دو کتب کا تقابل کرنے سے حیرت انگیز مماثلت سامنے آتی ہے۔ ذیل میں ان تینوں کتب کے متفرق ابواب سے چند جزئیات دی جاتی ہیں جن کی صورتیں اگر چہ الگ الگ ہیں، لیکن مسئلے کی صورت فرض کرنے کا اسلوب اور طرز بالکل یکساں ہیں۔

المدوۃ الکبریٰ سے چند جزئیات

- ۱۔ قال مالك: لو ان نصرانيا اسلم يوم الفطر رايته عليه زكاة الفطر، ولو اسلم يوم النحر كان عندى بينا ان يضحى (۴۶)
- ۲۔ قال مالك: لو ان رجلا من اهل الحرب اتى مسلما او بامان فاسلم وخلف اهله على النصرانية فى دار الحرب فغزا اهل الاسلام تلك الدار فغنموها غنموا اهله وولده، قال مالك: هى وولده فى اهل الاسلام (۴۷)
- ۳۔ قال مالك: لو ان رجلا شهد على رجل بانه اعتق عبدا له او على ابیه بعد موته انه اعتق عبدا له فى وصيته فصار العبد اليه فى قسمة او اشترى الشاهد العبد انه يعتق عليه (۴۸)
- ۴۔ قال مالك: لو ان رجلا اشترى طعاما بقدح او بقصعة ليس بمكيال الناس رايته ذلك فاسدا ولم اره جائزا (۴۹)
- ۵۔ قال مالك: لو ان رجلا دفع الى رجل دابة فقال: اعمل عليها ولك نصف ما تكسب عليها كان الكسب للعامل وكان على العامل اجارة

الدابة في ما تساوى (۵۰)

کتاب الام سے چند جزئیات

- ۱۔ قال الشافعی: لو اكرى رجلا رجلا دارا بمائة دينار اربع سنين فالكره
حال الا ان يشترطه الى اجل (۵۱)
- ۲۔ قال الشافعی: لو باع رجل رجلا عبدا على ان المشتري بالخيار فاهل
هلال شوال قبل ان يختار الرد او الاخذ كانت زكاة الفطر على المشتري (۵۲)
- ۳۔ قال الشافعی: لو مات رجل له رقيق فورثه ورثته قبل هلال الشوال ثم
اهل هلال شوال ولم يخرج الرقيق من ايديهم فعليهم فيه زكاة الفطر بقدر
مواريثهم منه (۵۳)
- ۴۔ قال الشافعی: لو اوصى برقبة عبد لرجل وخدمته لآخر حياته، او وقتا
فقبلا، كانت صدقة الفطر على مالك الرقبة، لو لم يقبل كانت صدقة
الفطر على الورقة لانهم يملكون رقبتة (۵۴)
- ۵۔ قال الشافعی: لو مات رجل وعليه دين وترك رقيقا فان زكاة الفطر في
ماله عنهم، فان مات قبل شوال زكى عنهم الورثة (۵۵)

الجامع الصغير سے چند جزئیات

- ۱۔ لو حلف لا يدخل هذه الدار وهذا المنزل فقام على السطح حنث (۵۶)
- ۲۔ لو وطئ حرة بشبهة النكاح ثم تزوج امة في عدتها جاز (۵۷)
- ۳۔ لو تزوج المرأة على ثوب قيمته خمسة دراهم لا يجب مهر المثل
وانما يجب الثوب وخمسة دراهم حتى يتم العشرة (۵۸)
- ۴۔ لو حفر بئرا في داره فوق وقع فيها انسان ومات حيث لا يضمن (۵۹)
- ۵۔ لو رمى الى الصيد وهو مسلم فارتد واصابه السهم وهو مرتد فجرح
الصيد ومات حل اكله (۶۰)

امام مالک کی "المدونة الكبرى" امام شافعی کی "الام" اور امام محمد کی "الجامع الصغير" کے متفرق ابواب سے لئے گئے ان مسائل کا طرز، اسلوب اور حکم مرتب کرنے کا انداز بالکل یکساں ہیں، اور اگر کتب کے حوالے کے بغیر یہ مسائل اکٹھے ذکر کیے جائیں تو شاید یہ فرق کرنا بھی مشکل ہو کہ یہ الگ الگ کتب سے اخذ کردہ ہیں، چہ جائیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ الگ الگ فقہی مسالک کے مسائل ہیں۔ ان مسائل کے یکساں اسلوب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عراق کی فقہی مجالس اور حجاز کے فقہی حلقوں میں اجتہاد اور رائے کے استعمال کے حوالے سے کوئی خاص جوہری فرق نہیں تھا اور

نہی رائے کی کیمت کے حوالے سے دونوں حلقوں میں کوئی تفاوت تھا۔ بلکہ ایک اور پہلو سے اگر دیکھا جائے تو حجازی فقہاء کی فقہی آراء واجتہادات زیادہ معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ امام محمد کی کتب ظاہر الروایۃ عراق کے تین بڑے فقہاء امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی فقہی آراء کا مجموعہ ہیں، جبکہ المدونۃ الکبریٰ کی پانچ ضخیم جلدیں صرف امام مالک کے اجتہادات اور الام کی دس ضخیم جلدیں اکیلے امام شافعی کی فقہی آراء پر مشتمل ہیں۔ شخصیات کی تعداد پر تقسیم کرنے سے تو حجازی مکتب کے بانیوں کے اجتہادات بہ نسبت عراقی مکتب کے زیادہ بنتے ہیں۔ اس تفصیل کے نتیجے میں معاصر محققین کی اس بات سے اتفاق کافی مشکل ہے کہ عراق میں رائے کی کثرت اور حجاز میں قلت تھی۔

۷۔ حجازی مکتب کے معروف فقہاء اور ان کی اجتہادی آراء پر عصر حاضر میں مستقل کام ہوا ہے، خصوصاً عبدالمنعم الباشمی کی کتاب "عصر التابعین"، مشہور فقیہ خلیفہ بکر الحسن کی گرانقدر کتاب "الاجتہاد بالرای فی مدرسة الحجاز الفقهية" اور ابوبکر اسماعیل محمد میقا کی کتاب "الرای و اثره فی مدرسة المدينة" اس حوالے سے بہترین کاوشیں ہیں۔ نیز تاریخ فقہ اسلامی پر لکھنے والے بعض محققین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حجاز میں رائے واجتہاد کی قلت کا نظریہ تاریخی حقائق سے میل نہیں کھاتا۔ شیخ ابوزہرہ مرحوم "حیاء مالک" میں لکھتے ہیں:

انتھینا من هذه الدراسة الى ان الراى بالمدينة لم يكن قليلا، كما توهم

عبارات بعض الكتاب (۶۱)

”مذکورہ بالا تحقیق و تفصیل سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مدینہ میں رائے کی مقدار کسی طرح سے کم نہیں تھی، جیسا کہ بعض مصنفین کی عبارات سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔“

اسی طرح شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے "الفقه الاسلامی و مدارسه" میں بھی اس نظریے پر کڑی تنقید کی ہے، اور اسے تاریخی حقائق کے منافی قرار دیا ہے، ساتھ اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ "المدخل الفقہی العام" میں بعض معاصرین کی اتباع میں یہ نظریہ میں نے اختیار کیا تھا، لیکن غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اہل رائے اور اہل حدیث کی یہ تقسیم تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ (۶۲)

اہل حدیث اور اہل رائے کی اصطلاح، ایک تاریخی جائزہ

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حجازی و عراقی فقہاء کی اہل رائے اور اہل حدیث کے اعتبار سے تفریق کا معاصر نظریہ تاریخی اعتبار سے انتہائی کمزور ہے، نیز اس تفریق کے جو اسباب بیان کئے جاتے ہیں، وہ بھی محل نظر ہیں، اور ان اسباب میں بحث و تحقیق کی کافی گنجائش ہے۔ اب آخر میں اہل حدیث اور اہل رائے کی اصطلاح، ان کے مصادیق اور مختلف استعمالات پر ایک نظر ڈالنا مقصود ہے، تاکہ بحث کی مزید تنقیح و توضیح کے ساتھ ان اصطلاحات کے حوالے سے رائج مغالطوں کی بھی نشاندہی ہو جائے۔

اہل رائے کی اصطلاح اور اس کا مصداق

رائے کا لفظ ایک وسیع الاستعمال لفظ ہے، آثار و اخبار میں مختلف معانی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن جب فقہی

مسائل کے سیاق میں بولا جائے تو اس سے مراد قیاس واجتہاد ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی مسئلے کے بارے میں اپنے فہم دین کی روشنی میں فقہی فیصلہ صادر کرنے کو رائے کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی معروف روایت ہے کہ جب ان سے اس غیر مدخولہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا جھکا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کو مہر کیا ملے گا؟ جب اس حوالے سے کوئی نص نہیں ملی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی ساقول برائی، لہا صداق نسائها، لا وکس ولا شطط (۶۳)
 ”اس کے بارے میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں کہ اس عورت کے لئے اس کے خاندان کی دیگر عورتوں والا مہر ہوگا، نہ اس سے کم نہ زیادہ۔“

اسی طرح معروف تابعی حضرت مسروق نے جب حضرت عبداللہ بن عمر سے نقض وتر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

هو شىء افعله برائی ولا اروه عن احد (۶۴)
 ”یہ کام میں اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کر رہا ہوں، کسی سے روایت کی بنیاد پر نہیں۔“
 حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت کا میراث کے کسی مسئلے میں اختلاف ہوا تو حضرت ابن عباس نے ایک قاصدان کے پاس بھیجا کہ کیا یہ مسئلہ آپ کو کتاب اللہ میں ملا؟ تو حضرت زید بن ثابت نے فرمایا:

انما انت رجل تقول برايك وانا رجل اقول برائی (۶۵)
 ”آپ اپنے اجتہاد سے بات کر رہے ہیں اور میں اپنے اجتہاد سے۔“
 آثار کی طرح فقہاء کی عبارات میں بھی رائے کا لفظ اجتہاد اور قیاس پر بولا جاتا ہے۔ اس پر کثرت سے فقہاء کی عبارات موجود ہیں، لیکن صرف نمونے کے طور پر ایک حوالہ دینا چاہوں گا۔ شوافع کے اصول فقہ کے چار ستونوں میں سے ایک ”المعتمد فی اصول الفقہ“ میں مصنف ”باب انا متعبدون بالقیاس“ کے اندر قیاس کے دلائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دلیل آخر ظاہر عن الصحابة رضی اللہ عنہم قالوا بالرای (۶۶)
 ”اگلی دلیل یہ ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ صحابہ نے رائے (قیاس واجتہاد) کا استعمال کیا ہے۔“
 چونکہ قیاس واجتہاد پر رائے کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے ”اہل الرای“ اور ”اصحاب الرای“ سے مراد فقہاء ہوتے ہیں، خواہ کسی مسلک کے بھی ہوں۔ آٹھویں صدی ہجری کے معروف حنبلی عالم سلیمان الطوفی اپنی کتاب شرح مختصر الروضة میں لکھتے ہیں:

اعلم ان اصحاب الرای بحسب الاضافة هم كل من تصرف فی الاحکام
 بالرای، فیتناول جميع علماء الاسلام لان كل واحد من المجتہدین لا
 یستغنی فی اجتہاده عن نظر وراى (۶۷)
 ”جان لو کہ باعتبار اضافت اصحاب الرای سے مراد ہر وہ عالم ہے جو شرعی احکام میں اجتہاد سے تصرف کرتا

ہو، لہذا یہ تمام علمائے اسلام کو شامل ہے، کیونکہ مجتہدین میں سے کوئی بھی رائے اور اجتہاد سے مستغنی نہیں ہے۔“

اسی طرح علامہ انور شاہ کا شمیری العرف الشذی میں فرماتے ہیں:

استعمل لفظ اهل الراى فى كل فقيه (۶۸)

”اہل رائے کا لفظ ہر فقیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔“

ان دو جلیل القدر علماء کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل رائے اپنے حقیقی اور لغوی معنی کے اعتبار سے ہر فقیہ پر بولا جاتا ہے، چنانچہ امام ابن تیمیہ طلاق کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم ان كثيرا من اهل الراى الحجازى والعراقى وسعوا باب الطلاق (۶۹)

”حجازی اور عراقی دونوں قسم کے فقہاء نے باب الطلاق میں توسع اختیار کیا ہے۔“

اس میں امام ابن تیمیہ نے مطلقاً فقہاء کے لئے اہل رائے کا لفظ استعمال کیا ہے، خواہ حجاز کے ہوں یا کوفہ کے۔

اسی طرح ابن قتیبہ نے ”المعارف“ میں اصحاب الراى کا عنوان کا باندھ کر امام ابن ابی لیلیٰ، امام اوزاعی، امام ربیعہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور دیگر معروف فقہاء کا تذکرہ کیا ہے، اور اصحاب الحدیث کا عنوان باندھ کر معروف محدثین کا ذکر کیا ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہل رائے کا لفظ اپنے اصل کے اعتبار سے مطلقاً فقہاء کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۷۰)

امام ابن حزم ایک جگہ ”الاحکام“ میں لکھتے ہیں:

روى عيسى بن دينار عن ابى القاسم قال سئل مالك قيل له لمن تجوز

الفتيا؟ قال لا تجوز الفتيا الا لمن علم ما اختلف الناس فيه، قيل له اختلاف

اهل الراى؟ قال لا، اختلاف اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم (۷۱)

”عیسیٰ بن دینار ابی القاسم سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ فتویٰ دینا کس شخص کے

لیے جائز ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ فتویٰ اسی شخص کے لئے درست ہے جو لوگوں کے اختلافات کو جانتا

ہو۔ پوچھا گیا کہ اہل رائے یعنی فقہاء کے اختلافات؟ تو امام مالک نے فرمایا، نہیں صحابہ کے اختلافات۔“

لغوی معنی کے ساتھ اہل رائے کا لفظ احناف کے لئے بطور علم کے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لئے اس کا عمومی

استعمال حنفیہ کے لئے ہوتا ہے، جناب عالم سلیمان الطوفی لکھتے ہیں:

واما بحسب العلمية فهو فى عرف السلف علم لاهل العراق وهم اهل

الكوفة ابوحنيفة ومن تابعه منهم (۷۲)

”علمیت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اہل رائے کا لفظ سلف کے عرف میں اہل عراق کا علم ہے، یعنی

فقہائے کوفہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تبعین۔“

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل رائے کا لفظ لغوی اور اضافی معنی کے اعتبار سے مطلقاً فقہاء کے

لیے استعمال ہوتا ہے، البتہ علم ہونے کے اعتبار سے یہ فقہائے حنفیہ کا لقب ہے۔

اہل حدیث کی اصطلاح اور اس کا مصداق

اہل حدیث کا لفظ قرن اول سے ان لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا، جن کا مشغلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات سے وابستگی تھا، خواہ ان کا فقہی تعلق جس مسلک سے بھی ہو، پھر یہ وابستگی درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کی شکل میں ہو یا تصنیف و تالیف کی شکل میں ہو۔ ائمہ اربعہ کے زمانے سے ہی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہونے لگا۔

امام شافعی الام میں ایک حدیث پر ایک مکملہ اعتراض وارد کر کے لکھتے ہیں:

فان قال لك قائل اهل الحديث يوهنون هذا الحديث (۷۳)

”اگر کہنے والے نے کہا کہ اہل حدیث یعنی محدثین اس حدیث کی تضعیف کرتے ہیں۔“

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

واما الرجل من اهل الفقه يسال عن الرجل من اهل الحديث فيقول

كفوا عن حديثه ولا تقبلوا حديثه (۷۴)

”جب فقہاء میں سے کوئی اہل حدیث یعنی محدثین سے کسی آدمی کے بارے میں پوچھتا ہے، تو وہ کہتا ہے

کہ اس کی حدیث سے رک جاؤ، اور اس کی حدیث قبول نہ کرو۔“

اس عبارت میں اہل فقہ اور اہل حدیث کا تقابل کتنی صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ اہل حدیث سے مراد یہاں محدثین ہیں۔ اسی طرح حدیث، تفسیر یا فقہ کی تمام معروف کتب میں محدثین کا ذکر ”اہل الحدیث“ کے لفظ کے ساتھ ہوا ہے۔ نیز یہ لقب ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے، جو حدیث کے تعلیم و تعلیم سے متعلق ہو، خواہ وہ حنفی ہو، شافعی، مالکی یا حنبلی۔ علامہ ذہبی معروف حنفی محدث اور امام بخاری کے استاد محمد بن یحییٰ الذہلی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

محمد بن يحيى بن عبد الله بن خالد بن فارس بن ذويب، الامام،

العلامة، الحافظ، البارع، شيخ الاسلام، وعالم اهل الشرق، وامام اهل

الحديث بخراسان (۷۵)

اس میں حنفی ہونے کے باوجود امام ذہلی کو ”امام اہل حدیث“ کہا، کیونکہ وہ معروف معنی میں محدثین میں سے تھے۔ معروف مالکی محدث اور امام بخاری کے استاد محمد بن عبد البر ابراہیم البوشنجی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

الامام العلامة، الحافظ، ذو الفنون، شيخ الاسلام، ابو عبد الله، محمد بن

ابراهيم بن سعيد بن عبد الرحمن بن موسى العبدى، الفقيه، المالكي،

البوشنجي، شيخ اهل الحديث في عصره بنيسابور (۷۶)

معروف شافعی فقیہ اور خراسان کے معروف محدث ابو الولید شافعی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

قال الحاكم: هو ابو الوليد القرشي الاموي الشافعي، امام اهل الحديث

(۷۷) بخراسان

کتب رجال میں اس کی مثالیں بکھری پڑی ہیں کہ محدثین پر اہل حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسلک اور مکتب سے ہو۔ نمونے کے طور پر صرف تین مثالیں پیش کیں۔

اہل الحدیث بطور فقہی مسلک

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل الحدیث کا لفظ محدثین کے لئے استعمال ہوتا ہے تو شروع حدیث اور کتب الخلافات یعنی وہ کتب جن میں فقہی مسائل میں مختلف مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں فقہی مسلک کے ساتھ اہل الحدیث کو ایک مستقل فقہی مسلک کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے اور اس کا مصداق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین میں سے چند معروف حضرات خصوصاً امام دادو ظاہری اور امام اسحاق بن راہویہ نے الگ الگ فقہی مکتب کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح مشہور محدثین جیسے اصحاب صحاح ستہ اور دیگر معروف محدثین، اگرچہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی طرف نسبت کیا کرتے تھے، لیکن بہت سارے مسائل میں انہوں نے اپنے فہم حدیث کی بنیاد پر مستقل موقف اپنایا، اور یہ موقف اکثر مسائل میں معروف محدثین کا ایک جیسا ہوتا، اس لئے ان کی اہمیت، اور علمی مقام کی وجہ سے فقہی مسائل کے ذکر کے ضمن میں محدثین کی آرا مستقل ذکر کی جاتیں۔ البتہ یہ بات ہے کہ یہ محدثین معروف معنی میں مجتہدین نہیں تھے کہ انہوں نے مستقل فقہی مکتب کی بنیاد رکھی ہو، اس کے حدود و جواب طے کیے ہوں، اور ان کا حلقہ مقلدین ہو۔ کتب الخلافات یا شروع حدیث میں اہل الحدیث کے لفظ سے مراد کبھی امام دادو ظاہری، امام اسحاق بن راہویہ اور عموماً محدثین کا گروہ ہوتا ہے جنہوں نے بہت سے مسائل میں مستقل موقف اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی آراء کے ذکر کے وقت ائمہ اربعہ کا ذکر الگ اور اہل الحدیث کا ذکر الگ کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی اس کی دلیل ہے کہ اہل الحدیث شوافع، مالکیہ یا حنابلہ کی بجائے ان محدثین کے لئے استعمال ہوتا ہے، جنہوں نے مسائل میں مستقل موقف اپنایا۔ بلکہ خود شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی کتب میں اختلافی مسائل میں اہل الحدیث کا مستقل ذکر کیا گیا ہے۔ اگر معاصر فقہاء کا یہ نظریہ مان لیا جائے کہ اہل الحدیث حنفیہ کے علاوہ بقیہ تین مسلک کا لقب ہے، تو انہی مسلک کی کتب میں اہل الحدیث کے مستقل ذکر کی کیا توجیہ ہوگی؟ تخصیص بعد التعمیم والی بات اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ بسا اوقات محدثین کا مذہب شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے خلاف ہوتا ہے، تو ان کے بالمقابل اہل الحدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ان سے ایک الگ گروہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

امام نووی "المجموع" میں سعی قبل الطواف کے مسئلے میں لکھتے ہیں:

ولو سعی قبل الطواف لم يصح سعيه عندنا وبه قال جمهور العلماء
وقد مننا عن الماوردي انه نقل الاجماع فيه وهو مذهب مالك وابي حنيفة
واحمد وحكي ابن المنذر عن عطاء وبعض اهل الحديث انه يصح (۷۸)
اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کا مسلک الگ، جبکہ اہل حدیث یعنی محدثین کے ایک گروہ کا مسلک الگ نقل کیا ہے۔

ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

اختلف الفقهاء في الذی یاتی امراته وهي حائض، فقال مالك والشافعي وابو حنيفة: يستغفر الله ولا شیء علیه، وقال احمد بن حنبل: يتصدق بدينار او بنصف دينار، وقالت فرقة من اهل الحديث: ان وطئ في الدم فعلیه دينار (۷۹) اس مسئلے میں مالکیہ، شوافع اور حنفیہ کا مذہب الگ، حنابلہ کا الگ اور بعض اہل الحدیث یعنی بعض محدثین کا مسلک الگ نقل کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اہل الحدیث کا شمار بطور فقہی مسلک ائمہ اربعہ میں سے کسی میں نہیں ہوتا۔

معروف حنبلی فقیہ ابن قدامہ "المغنی" میں شہادت کے ایک مسئلے سے متعلق لکھتے ہیں:

قال احمد: ولا يقبل الا شاهدان، وقال طائفة من اهل الحديث: يقبل

شاهد ویمین (۸۰)

شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی کتب کی ان عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل الحدیث ان تین گروہوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہے اور خود انہی مسالک کی کتب میں اہل الحدیث کو الگ اور ممتاز گروہ کے طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہل الحدیث یعنی محدثین کی فقہی آراء پر عصر حاضر میں مستقل کام ہوا ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر ڈاکٹر عبد المجید محمود کی مایہ ناز کتاب "الاتجاهات الفقهية عند اصحاب الحديث في القرن الثالث الهجري" اس بارے میں اہم ترین کاوش ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں تفصیل سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ محدثین ائمہ اربعہ کی طرف نسبت کے باوجود فقہی اعتبار سے الگ آراء رکھتے تھے۔ اس لئے فقہی اختلاف کے وقت ائمہ اربعہ کے ساتھ اہل الحدیث کا مستقل ذکر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

لكن الفقهاء الذين يعنون بذكر المذاهب الفقهی واختلاف العلماء

يسوقون امثال مالك والثوري والاوزاعي كاصحاب مذاهب مستقلة، ثم

يعطفون عليها مذهب اهل الحديث (۸۱)

”البتہ وہ فقہاء جنہوں نے مذاہب فقہیہ اور علماء کے اختلافات کے ذکر کا اہتمام کیا ہے، وہ ائمہ مجتہدین یعنی امام مالک، امام ثوری اور امام اوزاعی کا ذکر کرنے کے بعد اس پر اہل حدیث کے مذہب کا عطف کر کے الگ ذکر کرتے ہیں۔“

بحث کا خلاصہ

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہائے تابعین اور ائمہ اربعہ کی اہل رائے اور اہل حدیث میں تقسیم کرتے ہوئے احناف کو اہل رائے جبکہ بقیہ تینوں ائمہ کو اہل حدیث کے طبقے میں شامل کرنا محل نظر ہے۔ اس بارے میں جو اسباب اور وجوہات بیان کی جاتی ہیں، وہ تاریخی اعتبار سے مخدوش ہیں۔ اس غلط فہمی کی بنیادی وجہ یہ بنی کہ چونکہ اہل

رائے اضافی معنی کے ساتھ احناف کے لیے بطور لقب اور علم کے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے مفہوم مخالف سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اہل حدیث بقیہ تینوں مذاہب کا لقب ہے۔ حالانکہ اہل الحدیث کا لقب صرف ان حضرات کے لئے استعمال ہوتا ہے، جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کی حفاظت، تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، جنہیں عرف میں محدثین کہا جاتا ہے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی فقہی مکتب سے ہو۔

حوالہ جات

- ۳۷۔ مناع، خلیل القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ریاض، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ص ۲۹۱
- ۳۸۔ ایضاً، ص ۲۹۳
- ۳۹۔ ابن قیم الجوزیہ، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ریاض، دار ابن الجوزی، ۳۲۴ھ، ج ۱، ص ۲۸
- ۴۰۔ ابو زہرہ، محمد، حیاة مالک، دار الفکر العربی، ص ۱۶۳
- ۴۱۔ ابن قیم الجوزیہ، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ریاض، دار ابن الجوزی، ۴۲۳ھ، ج ۱، ص ۲۸
- ۴۲۔ الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۱۹ھ، ج ۱، ص ۱۱۸
- ۴۳۔ المزنی، جمال الدین، ابوالحجاج، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۸ھ، ج ۱، ص ۱۵۰
- ۴۴۔ ایضاً۔
- ۴۵۔ الفروری، صالح عبد اللطیف، تاریخ الفقہ الاسلامی، بیروت، دار ابن کثیر، ۱۴۱۶ھ، ص ۳۶
- ۴۶۔ الامام، مالک بن انس، المدونہ الکبری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ج ۱، ص ۴۰۵
- ۴۷۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۱۷
- ۴۸۔ ایضاً، ج ۲، ص ۵۶۹
- ۴۹۔ ایضاً، ج ۳، ص ۸۹
- ۵۰۔ ایضاً، ج ۳، ص ۴۲۱
- ۵۱۔ الشافعی، محمد بن ادريس، الام، بیروت، دار المعرفۃ، ج ۲، ص ۶۱
- ۵۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۶۳
- ۵۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۶۴
- ۵۴۔ ایضاً۔
- ۵۵۔ ایضاً
- ۵۶۔ الشیبانی، ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الجلی مع الصغیر، کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۱۱ھ، ص ۱۲۱
- ۵۷۔ ایضاً، ص ۱۷۷

- ٥٨- أيضاً، ص ١٨٠
- ٥٩- أيضاً، ص ٢٥٠
- ٦٠- أيضاً، ص ٢٩٨
- ٦١- ابو زهره، محمد، حياة مالك، دار الفكر العربي، ص ١٤٩
- ٦٢- الزرقاء، مصطفى احمد، الفقه الاسلامي ومدارسه، بيروت، الدار الشاميه، ١٣١٦هـ، ص ٥٩
- ٦٣- البيهقي، ابو بكر احمد بن الحسين، السنن الكبرى، بيروت دار الكتب العلميه، ١٣٢٢هـ، ج ٤، ص ٢٠٠
- ٦٤- الجوهري، ابو الحسن علي بن الجحد، مسند ابن الجحد، بيروت، دار الكتب العلميه، ١٣١٤هـ، ص ٤٩
- ٦٥- الدارمي، عبد الله بن عبد الرحمن، سنن دارمي، رياض، دار المغني، ١٣١٢هـ، رقم الحديث ٢٩١٤
- ٦٦- البصري، ابو الحسين محمد بن علي، المعتمد في اصول الفقه، المعهد العلمي، دمشق، ١٣٨٢هـ، ج ٢، ص ٢٨٠
- ٦٧- الطوفي، نجم الدين سليمان بن عبد القوي، شرح مختصر الروضة، رياض، وزارة الشؤون الاسلاميه، ١٣١٩هـ، ج ٣، ص ٢٨٩
- ٦٨- لكثيري، محمد نور شاه، العرف الشذي، بيروت، دار احياء التراث العربي، ١٣٢٥هـ، ج ٢، ص ٢٦٨
- ٦٩- ابن تيميه، تقي الدين، الفتاوى الكبرى، بيروت، دار الكتب العلميه، ١٣٠٨هـ، ج ٣، ص ١٩٣
- ٧٠- ابن تيميه، ابو عبد الله محمد بن مسلم، المعارف، قاهره، دار المعارف، ص ٢٩٢
- ٧١- ابن حزم، ابو محمد علي ابن احمد، الاحكام في اصول الاحكام، بيروت، دار الآفاق، ج ٦، ص ١٤٤
- ٧٢- الطوفي، نجم الدين سليمان بن عبد القوي، شرح مختصر الروضة، رياض، وزارة الشؤون، ١٣١٩هـ، ج ٣، ص ٢٨٩
- ٧٣- الشافعي، محمد بن ادريس، الام، بيروت، دار المعرفه، ج ٣، ص ٨
- ٧٤- أيضاً، ج ٦، ص ٦٠٢
- ٧٥- الذهبي، شمس الدين محمد بن احمد، سير اعلام النبلاء، بيروت، مؤسسة الرساله، ١٣٠٥هـ، ج ١٢، ص ٢٤٣
- ٧٦- أيضاً، ج ١٣، ص ٥٨١
- ٧٧- أيضاً، ج ١٥، ص ٢٩٥
- ٧٨- النووي، ابو زكريا محي الدين بن شرف، المجموع شرح المذهب، مصر، اداره الطباعة المنيره، ج ٨، ص ٤٨
- ٧٩- القرطبي، ابن رشد، بدلية المجتهد، بيروت، دار الفكر، ١٣٢٢هـ، ج ١، ص ١١٥
- ٨٠- ابن قدامه، موفق الدين ابو محمد عبد الله بن محمد، المغني، رياض، دار عالم الكتب، ١٣١٤هـ، ج ١٣، ص ٤٢
- ٨١- عبد المجيد محمود، الانتباهات الفقهيّه عند اصحاب الحديث في القرن الثالث الهجري، مكنة الخانجي، ١٣٩٩هـ، ص ١٣٦